© rasailojaraid.com

ڈاکٹر وحید قریشی

اکبر الہ آبادی کی شاعری

کلام اکبر میں ظرافت کی تین صورتیں ملتی ہیں۔ بذلہ سنجی، مزاح اور طنز۔ بذلہ سنجی ظرافت کی سہل، زود اثر اور ہلکی پھلکی شکل ہے لیکن اس کے پیچھے کام کرنے والے محرکات خاصے پیچیدہ، گہرے اور وسیع اثرات کے حامل ہوا کرتے ہیں۔ کلام اکبر میں ان کا سلسلہ بذلہ سنجی کی جملہ صورتوں پر مشتمل ہے، جن میں رعایت لفظی، ایہام، ضلع جگت، پھبتی، پھکڑ اور ہزل کو اہمیت حاصل ہے۔ ان کی ابتدائی تربیت جس شعری روایت کے تحت ہوئی ہے اس میں لکھنؤ کی دورِ زوال کی شاعری کا بھی ایک حصہ موجود ہے۔ اکبر، وحید الہ آبادی کے شاگردوں میں تھے اور ان کا سلسلہ آتش سے بہ یک واسطہ ملتا ہے۔ اپنی ابتدائی سنجیدہ شاعری میں اکبر لکھنویت کے پروں پر پرواز کرتے نظر آتے ہیں۔ ابتدائی رجحانات کی بازگشت کلامِ اکبر میں رعایتِ لفظی اور موشگافی کے عمل میں دور تک سنائی دیتی ہے۔ ابتدائی دور سے لے کر آخری زمانے تک الفاظ سے محبت اور ان کی مدد سے معنی آفرینی کی عادت اکبر کا قابلِ ذکر رجحان ہے مثلاً:

مجنوں کی پیاس کو بجھاتی   لیلیٰ کچھ باولی نہیں ہے

ہم کو ان تلخ مباحث سے سروکار نہیں   ہم تو اک شوخ شکر لب کو لیے پھرتے ہیں

ہم ریش دکھاتے ہیں کہ اسلام کو دیکھو   مس زلف دکھاتی ہے کہ اس لام کو دیکھو

الف دین نے خوب لکھی کتاب   کہ بے دین نے پائی راہِ صواب

یہ اشعار حیاتِ اکبر کے مختلف ادوار سے لیے گئے ہیں۔ صنعت گری کی ان

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

صورتوں سے ہٹ کر اکبر نے لفظی توڑ پھوڑ سے نکتہ آفرینی کے بعض نئے پہلو بھی دریافت کیے۔ وہ زبان کے بارے میں اہلِ لکھنؤ سے مختلف نظریہ اختیار کر گئے۔ مطالب کو ان کے یہاں بنیادی اور الفاظ کو ثانوی حیثیت حاصل تھی۔ شاعرانہ تجربے کو معاشرتی زندگی کے حوالے سے بیان کرتے ہوئے زبان کے متعارف سانچوں سے بغاوت ناگزیر تھی۔ اکبر نے نئی تشبیہیں، نئے استعارے، نئی علامات اور زبان و بیان کے نئے انداز اختیار کیے جن سے قدیم رنگ دھیما پڑ گیا اور مغربی ادب سے براہِ راست متاثر ہونے کی وجہ سے ظرافت کی بعض نئی شکلوں سے بھی وہ آشنا ہو گئے۔ ان کا ذہنی تعلق سرسیّد کی تحریک کے مقابلے میں اودھ پنچ کے ساتھ تھا۔ ۱۸۷۷ میں اودھ پنچ کا آغاز ہوا اکبر کی پیدائش ۱۸۴۶ کی ہے۔ وہ تیس اکتیس برس کے پیٹے میں تھے کہ اودھ پنچ کے نامہ نگاروں میں ان کا نام شامل ہوا۔ اس وقت تک وہ آغازِ شباب کے کئی مراحل سے گزر چکے تھے۔ پہلی بیوی سے ناچاقی کے بعد دوسری شادی، دوسری بیوی کے انتقال پر تیسری کی آمد آمد تھی۔ اس سے جذباتی ہیجان و اضطراب کا قیاس کیا جا سکتا ہے۔ سرکاری ملازمت اور اس میں آقایانِ ولی نعمت کی فرعونیت نے اکبر میں شدید ردِّ عمل کو جنم دے رکھا تھا لیکن اس کے بلا واسطہ اظہار کا امکان اس وقت نہ تھا۔ ایسی حالت میں اودھ پنچ کی طنز و ظرافت شخصی سطح پر ہی تسکین کا سبب نہ تھی بلکہ معاشرتی زندگی اور سیاسی کوائف کے بیان میں بھی یہی رویّہ اکبر کے سیلِ جذبات کے بھرپور نکاس کا وسیلہ ہو سکتا تھا۔ ۱۸۸۲ سے ۱۸۸۸ تک اکبر کا قیام علی گڑھ میں بسلسلۂ ملازمت رہا۔ کہا جاتا ہے کہ ان کا یہ تقرر سرسید احمد خاں کی کوشش کا نتیجہ تھا۔ اس زمانے میں اکبر کو علی گڑھ تحریک اور خود سرسید کو نہایت قریب سے دیکھنے کا موقع ملا۔ وہ جدید تعلیم اور جدید علوم کے مخالف نہ تھے۔ انھیں تحریکِ سرسید سے بنیادی اختلاف غلامانہ ذہنیت، مذہب سے بیزاری اور روحانی قدروں پر مادّی قدروں کی ترجیح کی وجہ سے تھا۔ وہ نہ تو سرسید کی ذات کے مخالف تھے اور نہ وہ مغربی علوم کو بُرا جانتے تھے لیکن یہ ان کی بدنصیبی ہے کہ انھیں عموماً ان دونوں جرائم کا مرتکب سمجھا گیا۔ ان الزامات

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کی ذمہ داری دو بڑی تحریکوں کے سر ہے۔ سرسید کی تحریک کے مقابلے میں اودھ پنچ کے ادبا صف آرا تھے اور عمل اور ردِ عمل کے اس پھیر میں ایک دوسرے کے خلاف کسی قدر جارحانہ انداز قدرتی امر تھا۔ ایسے ہی اگر اکبر کو بھی پوری طرح اودھ پنچ کے سیاسی و نیم سیاسی مفادات سے منسلک کر دیا گیا اور سرسید جدیدیت کے عَلَمبردار اور اکبر مذہب پرستی کے سزاوار سمجھے گئے تو یہ حقائق کی اصل صورت تو نہیں ہو سکتی تھی۔ دوسری تحریک جس نے اکبر کی شخصیت کے خط و خال کو مسخ کرنے کا فریضہ ادا کیا ہے، ترقی پسند تحریک تھی جس کے مطابق سرسید جدید رجحانات اور ترقی پسند خیالات کے داعی تھے اور اکبر رجعت پسند رجحانات کے نمائندے۔ اکبر کی مذہب پسندی تو نشانۂ ستم ہوئی لیکن یہ کسی نے نہ سوچا کہ خود اکبر کے ہاں خالی خولی مذہب پرستی کی تضحیک کا خاصا سامان موجود ہے۔ وہ مذہب کو محض خارجی عمل نہیں جانتے ان کے نزدیک مذہبی تصورات و اعتقادات کا داخلی رُوپ ہی اساسی حیثیت رکھتا ہے اس لیے زاہد اور شیخ کے وہ پہلو جن کا تعلق خلوصِ نیت سے نہیں اکبر کے ہاں نشانۂ تضحیک رہے ہیں:

حدیث و فقہ پڑھ کر شیخ بننا خوب ہے لیکن
زمین و آسمان کو دیکھ کر پہلے مسلماں ہو

اپنی غرض ہے جب تو نئی جنتری میں ہیں
اوروں پہ جب ہے دعظ تو پہلی صدی میں ہیں

اکبر منافقت کو کسی روپ میں برداشت نہیں کر سکتے چاہے وہ جدید طرزِ حیات کا حصہ ہو چاہے قدیم کا۔ ان کے ہاں قدیم و جدید دونوں رجحانات کی نفی کی گئی ہے لیکن سرسید کی نیم ادبی، نیم سماجی تحریک اور ترقی پسندوں کی نیم ادبی نیم سیاسی تحریک نے اکبر کے بارے میں جو غلط فہمیاں پیدا کی ہیں ان سے ان کے مرتبے کے تعین میں خاص دشواری رہی ہے کیونکہ اس طریقِ استدلال کا نتیجہ یہ تھا کہ ترقی پسند نقادوں نے اکبر کو مذہبی رجحانات کا نقیب جان کر رجعت پسند قرار دیا اور عام طور پہ یہ تاثر دیا گیا کہ مذہبی اقدار پر مبنی شاعری محدود ہوا کرتی ہے۔ ظاہر ہے اس پیمانے کے مطابق اکبر کی مزاح نگاری محدود قرار پائی اور ان کے موضوعات کو وقتی اور ہنگامی تسلیم کر کے اردو مزاح نگاری میں ان کے کارنامے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کو عارضی اور فروعی مان کر نظر انداز کرنے کا رجحان گزشتہ ربع صدی سے بہت عام رہا ہے اکبر کے کلام کا تھوڑا سا حصہ وقتی اور ہنگامی ضرور ہے لیکن اکثر مسائل میں وہ علامات کے استعمال سے ایک تعمیمی صورت کو ہمیشہ بروئے کار رکھتے ہیں اور ان کے مزاح کے واقعاتی عناصر اور تلمیحی اشارے دورِ حاضر کے قاری کے ہاں بھی ابلاغِ مطالب میں حارج نہیں ہوتے :

مے بھی ہوٹل میں پیو چندہ بھی دو مسجد میں — شیخ بھی خوش رہیں شیطان بھی ناراض نہ ہو

قوم کے غم میں ڈنر کھاتے ہیں حکام کے ساتھ — رنج لیڈر کو بہت ہے مگر آرام کے ساتھ

نفس کے تابع ہوئے، ایمان رخصت ہو گیا — وہ زنانے میں گھسے مہمان رخصت ہو گیا

ہم آہ بھی کرتے ہیں تو ہو جاتے ہیں بدنام — وہ قتل بھی کرتے ہیں تو چرچا نہیں ہوتا

یوسف کو نہ سمجھے کہ حسیں بھی ہے جواں بھی — شاید نرے لیڈر تھے زلیخا کے میاں بھی

جب حکم ہی ہے کوششِ بے سود کیجیے — کرتے بتاں میں خوب اچھل کود کیجیے

شیخ جی کے دونوں بیٹے باہنر پیدا ہوئے — ایک ہیں خفیہ پولس میں ایک پھانسی پا گئے

شیخ صاحب برہمن سے لاکھ برتیں دوستی — بے بھجن گائے تو مندر سے ٹکا ملتا نہیں

لیڈروں کی دھوم ہے اور فالور کوئی نہیں — سب تو جنرل ہیں میاں، آخر سپاہی کون ہے

سنا ہے حلّت بادہ کا ہو گیا فتویٰ — خدا نے فضل کیا بچ گئے حرام سے ہم

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تحریکِ سرسید کے بعض بنیادی رجحانات سے اکبر متفق نہیں ہیں یعنی علم کو محض سرکاری نوکری کا وسیلہ بنا دینا، سرکار پرستی کی رُو میں مقاصدِ فرمان روا کی تکمیل میں معاون ہونا، مغرب پرستی میں اپنے ماضی سے رشتہ توڑ لینا، اعتدال کو خیرباد کہہ کر افراط و تفریط کا شکار ہو جانا، مغربی علوم اور زبانوں کے ساتھ ساتھ مغربی تمدن کو آنکھیں بند کر کے اختیار کرنا اور مادّی اقدار کی غلو کی حد تک پیروی کرتے ہوئے مذہبی عقائد میں ایک خاص طرح کی لچک پیدا کرنا۔ اکبر سرسید کی تحریک کے ان پہلوؤں سے اختلاف کرتے ہیں۔ ان کے نزدیک یہ ساری تحریک دینی عقائد کی نفی، دینی عقائد کی تحریف اور خدا سے دُوری پر مبنی ہے۔ اس سلسلے میں بعض گروہوں کی طرف سے اکبر کے بارے میں یہ بھی کہا جاتا ہے کہ ان کے ہاں تضاد ہے۔ یہ اکثر سننے میں آیا ہے کہ اکبر خود مغربی لباس پہنتے تھے لیکن انھوں نے شاعری میں اس کی مخالفت کی۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ انھوں نے اپنے بیٹے کو انگریزی تعلیم دلائی اور خود بھی انگریزی زبان میں دسترس پیدا کی لیکن شاعری میں انگریزی تعلیم کی مخالفت کرتے رہے۔ ان پر یہ بھی الزام ہے کہ انھوں نے خود انگریز کی نوکری کی لیکن شاعری میں انگریز کی نوکری کے مخالف رہے۔ بظاہر یہ اندازِ استدلال دلکش اور معقول نظر آتا ہے لیکن حقیقت میں ان دعووں کی کچھ اصلیت نہیں۔ اکبر انگریزی زبان، انگریزی تعلیم، انگریزی نوکری کے کبھی مخالف نہ تھے۔ کیونکہ کہنے والا ان کے کلام کے بعض حصوں کو ان کے سیاق و سباق سے الگ کر کے جو معنے چاہے پہنا لے لیکن فی الحقیقت اکبر اس ذہنیت کے خلاف تھے، جو جدیدیت کی اس رَو کی تہ میں کارفرما تھی۔ نئے حالات سے مطابقت کی تردید اور اسے قبول کرنے کی مخالفت اکبر کے ہاں نہیں ہے۔ علی گڑھ تحریک میں جہاں خوبیاں ہیں وہاں کچھ بنیادی خامیاں بھی ہیں۔ سرسید اور ان کے ساتھیوں نے مادّی زندگی پر جو زور دیا اس میں وہ حد سے تجاوز کر گئے۔ برطانوی حکومت کی امداد و اعانت سے انھوں نے مسلمانوں کے لیے ایک بہتر سماجی فضا ضرور پیدا کی لیکن اس کوشش کے نتیجے میں برعظیم پاک و ہند میں بڑے بڑے زمینداروں اور حکومت کے کارکنوں کا ایک ایسا مشترک مفادات والا طبقہ وجود میں آیا جو من حیث الجماعت برطانوی اقتدار کو تا دیر مسلط رکھنے کا باعث بنا۔ مغربی تعلیم کے ساتھ مغربی تمدن کی آمد سے اخلاقی اور

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

روحانی اقدار کو شدید ضعف پہنچا۔ اکبر، سرسید کے اس فکری نظام میں مذہب کے عنصر کو بنیادی حیثیت دینا چاہتے تھے۔ وہ مذہبی تاویل کے اس ہیچ در ہیچ سلسلے کے بھی مخالف ہیں جس میں سرسید نے ہر مغربی قدر کا مذہبی جواز مہیا کرنے کی کوشش کی۔ مغرب سے وارد ہونے والی ہر لہر کو بہ صدق دل قبول کیا:

مذہب دبا ہوا نہ ہو فکرِ معاش سے　　اندازۂ ترقیِ ملت اسی میں ہے

اک برگِ مضمحل نے یہ اسپیچ میں کہا　　موسم کی کچھ خبر نہیں اے ڈالیو تمہیں
اچھا جواب خشک یہ اک شاخ نے دیا　　موسم سے باخبر ہوں تو کیا جڑ کو چھوڑ دیں

سید صاحب سکھا گئے ہیں جو شعور　　کہتا نہیں تم سے میں کہ ہو اس سے نفور
سوتوں کو جگا دیا انھوں نے لیکن　　اللہ کا نام لے کے اٹھنا ہے ضرور

دین کو دیکھ کے دنیا کے کرشمے دیکھو　　مذہبی درس الف بے ہو علی گڑھ میں ہو

کب میں کہتا ہوں الگ ہو سارا قصہ چھوڑ کر　　کر طلب دنیا مگر صاحب کا حصہ چھوڑ کر

مسجدیں سنسان ہیں اور کالجوں کی دھوم ہے　　مسئلہ قومی ترقی کا مجھے معلوم ہے

قدیم وضع پہ قائم رہیں اگر اکبرؔ　　تو صاف کہتے ہیں سید یہ رنگ ہے میلا
جدید طرز اگر اختیار کرتے ہیں　　خود اپنی قوم مچاتی ہے خوب واویلا
جو اعتدال کی کہئے تو وہ اِدھر نہ اُدھر　　زیادہ حد سے دیے سب نے پاؤں ہیں پھیلا

اس نقطۂ نظر کی وضاحت کے لیے اکبر نے علامتوں کا استعمال کیا ہے۔ سید سے مراد

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سرسید کی ذات نہیں۔ سرسید کی ذات کے اکبر معترف اور قدر دان تھے۔ انھوں نے انھیں مغربی ایجاب وقبول کی علامت قرار دیا ہے۔ اسی طرح نیچریت، شیخ، کالج، کوٹ، پتلون، کعبہ، کلیسا، سبھی علامات ہیں۔ سرسید کے بارے میں انھوں نے بالوضاحت بھی کہا ہے:

ذاتِ حق سے ان کی مخاطب نہیں فکرِ شاعر
شیخ و سیّد سے تو خالی نہیں ذکرِ شاعر

نیچریت چلیست، از دیں گم شدن
نے قمیص و کوٹ و پتلون و بٹن!

واہ کیا راہ دکھائی ہے ہمیں مرشد نے
کر دیا کعبے کو گم اور کلیسا نہ ملا
رنگ چہرے کا تو کالج نے بھی قائم رکھا
رنگِ باطن میں مگر باپ سے بیٹا نہ ملا
سیّد اٹھے جو گزٹ لے کے تو لاکھوں لائے
شیخ قرآن دکھاتے پھرے پیسہ نہ ملا

سرسید کے مذہبی نظریات میں اکبر کو بعض شدید اختلاف کے مواقع نظر آتے ہیں مغرب سے استفادہ الگ چیز ہے اور اس کی کورانہ تقلید بالکل جدا چیز۔ اکبر علی گڑھ تحریک کو مغرب کی نقالی، مغربی مادی اقدار کی بے جا طرفداری اور انگریز پرستی کی حد سے بڑھی ہوئی رَو خیال کرتے ہیں۔ مذہبی اصول و عقائد کی لچک دار تاویل کو بھی وہ ہندی مسلمانوں کے لیے نقصان دہ قرار دیتے ہیں:

مری قرآن دانی پر نہ ہوں یوں بدگماں حضرت
مجھے تفسیر بھی آتی ہے، اپنا مدعا کہیے

دیکھ کاری گری حضرتِ سیّد اے شیخ
دے گئے لوچ وہ مذہب میں کمانی کی طرح
بحرِ ہستی کا یہی دَور چلا جاتا ہے
برف کی طرح جمے بہہ گئے پانی کی طرح

سحر مسلم شکایت با خدا کرد
کہ تفسیرش بما دیدی چہا کرد
من از بیگانگاں ہرگز ننالم
کہ با من ہرچہ کرد آں آشنا کرد

سرسید کی مذہبی تاویلات سے [illegible] اکبر تنہا نہیں ہیں۔ خود سرسید کے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ساتھیوں میں حالی اور نذیر احمد ان کے مذہبی خیالات سے اختلاف رکھتے تھے۔ اکبر کو بھی یہ شکایت ہے کہ سرسید احمد خاں انگریزی تعلیم اور تمدن سے مرعوبیت کی حد تک متاثر ہیں اور ہنگامی اور وقتی ضرورتوں کے تحت مذہبی صحائف کی تعبیر و تشریح کا ایسا عمل حقائق سے زیادہ مصالح اور مفاہمت کا رہین منت ہوتا ہے۔

تمہاری پالیسی کا حال تو کھلتا نہیں صاحب
ہماری پالیسی تو صاف ہے ایماں فروشی کی

ایمان بیچنے پہ ہیں اب سب تلے ہوئے
لیکن خرید ہو تو علی گڑھ کے بھاؤ سے

ملی ترقی کے راستے میں سب سے بڑی رکاوٹ غیر ملکی حاکم کا خوف و تسلط ہی نہیں اس کے مقاصد کی تکمیل میں امداد و اعانت کا درس بھی ہے۔ تحریکِ سرسید نے انگریزوں اور مسلمانوں کو قریب تر کرنے کا بیڑا اٹھایا لیکن اس کے لیے جس تمدنی فضا کو اپنایا گیا اور جو تعلیم دی گئی وہ میاں کے مسلمانوں کو "بابو" تو بنا سکتی تھی لیکن ان میں سربلندی اور آزادیِ عمل کی شمع روشن نہیں کر سکتی تھی کیونکہ؛

طفلِ مکتب کہ سخن باز زبان می گوید !
شکوہ کم کن کہ چنیں گفت و چناں می گوید

طبعِ او فوٹو گراف است و سر و دش ببقش
آں چہ بستند بر و نقش ہماں می گوید

کورانہ تقلید جب ذہنی صلاحیتوں کو سلب کر لیتی ہے تو اس کی جگہ مصلحت اندیشی اور رضائے حاکم لے لیتی ہے۔ چھوٹے چھوٹے مادی فوائد کے لیے انسان اپنے دین و ایمان کو بیچ دیتا ہے۔ اکبر کو اس اصلاحی تحریک کے پسِ پشت ایسے ہی سائے منڈلاتے نظر آتے ہیں؛

ان کی سب باتوں کو اکبر سیکھ لے
خود وہ فرمائیں گے پھر آ بھیک لے

سچ ہے کہ انھوں نے ملک لے رکھا ہے
ہم لوگوں کو کعبہ سے پرے رکھا ہے

لیکن ہے ادائے شکر ہم پر لازم
کھانے بھر کو ہمیں بھی دے رکھا ہے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

وہ یہ فرماتے ہیں کیا خوب کہا ہے واللہ — مَیں یہ کہتا ہوں کہ آداب بجا لاتا ہوں

وہ کہتے ہیں یہ ٹھیک ہے ہم کہتے ہیں جی ہاں — بالفعل تو ہم اس کے سوا کچھ نہیں کرتے

دست و پا بستہ ہوں میں ظاہر کوئی گن کیا کروں — دوسروں کے بس میں ہوں فکرِ تمدن کیا کروں

شاگردِ ڈاروِن تو خدا ہی نے کر دیا — اکبرؔ مگر نہیں ہے مداری کے ہاتھ میں

زباں سے کہتے ہیں سب کچھ مگر حقیقت میں — فقط وہ قوتِ فرماں روا کو مانتے ہیں

شیخ صاحب خدا سے ڈرتے ہیں — مَیں تو انگریز ہی سے ڈرتا ہوں

مَیں نے کہا کہ اپنا سمجھیے مجھے غلام — بولا وہ بت یہ ہنس کے فرنگی نہیں ہوں میں

یہی مرضی خدا کی تھی ہم ان کے چارج میں آئے — سرِ تسلیم خم ہے جو مزاجِ چارج میں آئے

صبا نے چارج کو مژدہ یہی سنایا ہے — محافظِ حرم اب آپ کی رعایا ہے

دیا سلائی کی تیزی تو آ گئی ہم میں — کسر یہی ہے کہ ڈبیا انہی کی جیب میں ہے

اکبرؔ کے یہ اندیشے کچھ غلط ثابت نہیں ہوئے۔ ہماری جدوجہدِ آزادی کی تمام تگ و دو ملازمتوں کے حصول، ملازمتوں کے تناسب کے مسئلے کے گرد گھوم گئی۔ اکبرؔ کے زمانے میں کاسہ لیسوں کا جو طبقہ سرکاری ملازمتوں میں آیا اس کی کارکردگی نے جدوجہدِ آزادی تک کے مسئلے میں ٹالنے کی تدبیریں کیں۔ بڑھتی ہوئی دنیاداری کا یہ پہلو اکبرؔ کو کھٹکتا تھا۔ بلاشبہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مسلمانوں کی فلاح کے لیے سرسید نے بڑا کام کیا لیکن اس "عقل پرستی" نے روحانی اقدار اور مذہب کو ہماری معاشرتی زندگی سے خارج کر دیا۔ اور ہماری معاشرتی زندگی دو حصوں میں بٹ کر رہ گئی۔ ایک دینی اقدار سے روشناس عوام کا طبقہ اور دوسرا نیا ابھرتا ہوا روشن خیال متوسط طبقہ، جس کے ہاتھ میں مغربی تعلیم اور ملازمتوں کی باگ ڈور تھی۔ سرسید کا خیال تھا مغربی تعلیم اور مغربی علوم کا ایک عقلی تجزیہ کرنا علم الکلام کے ذریعے ممکن ہے اور مادی ترقی روحانی قدروں کی نفی نہیں کر سکے گی لیکن حالات نے ثابت کر دیا کہ اکبر کا نقطۂ نظر اور اکبر کا تجویز کردہ حل ہمارے حالات کے بہتر تجزیے کا نتیجہ تھا۔ سرسید اور ان کے رفقا نے حال کو قبول کرتے ہوئے ماضی کو بالکل رد کر دیا اور نتیجۃً اس پڑھے لکھے طبقے کی صورت میں رونما ہوا جو اپنے ماضی سے برگشتہ اور حال سے غیر مطمئن تھا۔ جو حاصل کرنا چاہتا تھا وہ اسے حاصل نہ ہوا اور جو اسے ملا اس پر تشکیک کے دبیز پردے پڑے ہوئے تھے۔ معاشرہ ایک کرب میں مبتلا ہو کر رہ گیا۔ اکبر اور اقبال کا تجویز کردہ حل یہ تھا کہ مادی ترقی کو مذہبی اور اخلاقی اقدار کا پابند ہونا چاہیے۔ اپنے علمی سرمائے پر غور و فکر کی ضرورت ہے لیکن اسے کلی طور پر رد کر کے ترقی ممکن نہیں کیونکہ اپنی تاریخ، اپنے ثقافتی اور علمی سرمائے اپنی زبانوں کو بنیاد ہونا چاہیے اور اس کی روشنی میں مغرب سے اخذ و استفادے کا عمل بھی قابل قبول ہے کیونکہ معاشرتی زندگی ایک ارتقا پذیر ربط و تسلسل کا نام ہے:

وہ حافظہ جو مناسب تھا ایشیا کے لیے　　خزانہ بن گیا یورپ کی داستانوں کا

کر گئے ہیں حضرتِ سید عقیدوں کو درست　　چرخ نے رسموں کا بھی آخر صفایا کر دیا

گزشتند آں قدر یاراں ز حدِ سید اے اکبر　　کہ آں مرحوم اکنوں در شمارِ شیخ می آید

کیا جانیے سید تھے حق آگاہ کہاں تک　　سمجھے نہ کہ سیدھی ہے مری راہ کہاں تک

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سید کی روشنی کو اللہ رکھے قائم بتّی بہت ہے موٹی روغن بہت ہی کم ہے

ہر قدم ان کا شہیدِ لغزشِ مستانہ تھا سر پہ تھا سید کے قرآن زیرِ پا مے خانہ تھا

ساتھ ان کے مرا شیخ تو چل ہی نہیں سکتا بندر کی طرح اونٹ اُچھل ہی نہیں سکتا

اکبر کے نزدیک اپنی تاریخ، اپنی ثقافت، اپنی مذہبی اقدار، اپنی زبان وہ سرمایہ ہے جس کے بغیر ترقی ممکن نہیں۔ اس کی غیر موجودگی میں افرادِ ملت ہنس کی چال چلنے والے کوّے ہیں جنھیں ہنس کبھی اپنے کنبے میں شمار نہیں کرے گا۔ نیٹو بہرحال نیٹو ہی رہے گا۔ وہ زیادہ سے زیادہ بابو بن سکتا ہے:

ازراہِ تعلق کوئی جوڑا کرے رشتہ انگریز تو نیٹو کے چچا ہو نہیں سکتے
کالے نہیں ہو سکتے جو گورے تو ہے کیا غم گورے بھی تو بندے سے خدا ہو نہیں سکتے

ایسی حالت میں اس مادّی ترقی کو قابلِ فخر جاننا کیا ضروری ہے۔ سیاسی مراعات ہوں یا آزادی کے دعوے ان کی حیثیت محض نمائشی اور زبانی ہو گی:

تعلیم جو دی جاتی ہے ہمیں وہ کیا ہے فقط بازاری ہے جو عقل سکھائی جاتی ہے وہ کیا ہے فقط سرکاری ہے

مغربی تعلیم ہو اور ہوم والی بات ہو لطفِ موسم ہے یہی مینڈک ہو اور برسات ہو

تعلیم اس کی اچھی جو اپنے گھر میں خوش ہو مذہب اسی کا اچھا جس کو پولس نہ پکڑے

گورنمنٹ کی خیر یارو مناؤ گلے سے جو اتریں وہ تانیں اڑاؤ
کہاں ایسی آزادیاں تھیں میسّر انا الحق کہو اور پھانسی نہ پاؤ

آزادی و حریت کے [illegible] سے راستوں پر ڈال دیتی ہے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اور تعلیم کا خاص نظام اس کی اقدارِ حیات کو یوں بدل کر رکھ دیتا ہے کہ محکوم کا رشتہ اپنے ماضی سے کٹ جاتا ہے۔ اکبر اس ملّی ابتری کے مرثیہ خواں تھے۔ ان کی مرثیہ خوانی ایک مذہبی رہنما کی مرثیہ خوانی سے مختلف ہے۔ اس دَور میں کہ مذہبی حلقوں کی طرف سے انگریز کے خلاف باغیانہ خیالات کی رَو چل رہی تھی، دینی معتقدات کے معاشرے میں جاری وساری رہنے کا واحد وسیلہ دینی درس گاہ ہی تھی۔ دوسری طرف سرسید اور ان کے رفقا کی دنیاوی ترقی کی مساعی تھیں۔ اکبر اور اودھ پنچ نے قومی وملّی اصلاح کا راستہ طنز وظرافت کے ذریعے نکالا۔ اکبر کی شاعری کے تین روپ ہیں طنز، بذلہ سنجی اور نکتہ آفرینی۔ اکبر سیاسی دباؤ اور اخلاقی دباؤ کے زیرِ اثر بیان کا بالواسطہ طریقہ اختیار کرتے ہیں۔ لفظی موشگافی کا یہ رجحان نفسیاتی اصطلاح میں ایک کیموفلاج کی حیثیت رکھتا ہے۔ اس کی حدیں خوشگوار تاثر سے لے کر پھکڑ اور فحاشی تک بھی چلی جاتی ہیں۔ یہاں فنی طریق کار، جذباتی اختصار اور لفظی صنعت گری سے کام لیتا ہے۔ اکبر کی ادبی حیثیت کو متعین کرنے میں ان کی بذلہ سنجی کا دخل کم ہے۔ ان کا اصل مرتبہ طنزیہ اور مزاحیہ شاعری سے متعین ہوتا ہے۔ اب تک ان کے کلام کی بیشتر مثالیں طنزیہ شاعری سے دی گئی ہیں۔ طنز میں ایک چبھتا ہوا تیکھا سا انداز ہوتا ہے۔ طنز کا نشانہ بننے والا اس کے فوری اثر کے بعد جیسے جیسے غور کرتا ہے، طنز کی شدت ابھرتی چلی جاتی ہے۔ اکبر کی سیاسی اور سماجی شاعری کا بیشتر مدار طنز پر ہے۔ یہ طنز شخصی نہیں، اس کا مقصد اصلاحِ احوال ہے۔ اس لیے سماجی سطح پر یہ اہم فریضہ بھی ادا کرتی ہے اور ادبی لحاظ سے قدر وقیمت کی حامل بھی ہے۔ اردو شاعری میں اکبر کے زمانے سے لے کر اب تک اس پائے کا طنز نگار سامنے نہیں آیا اور اب بھی جہاں جہاں بھی طنزیہ شاعری کے نمونے ملتے ہیں ان پر اکبر کے اثرات بخوبی دیکھے جا سکتے ہیں۔ اکبر کے بارے میں یہ کہہ کر آگے گزر جانا مناسب نہیں کہ اس کے طنز کا نشانہ تحریکِ سرسید ہے اور اس لیے یہ شاعر اپنے موضوعات کے اعتبار سے محدود ہے۔ اکبر نے اگرچہ اپنے دَور کے مسائل پیشِ نظر رکھے لیکن ان کے پیش کرنے کا ڈھنگ ہنگامی اور وقتی نہیں۔ چند اشعار سے قطع نظر جن میں خاص خاص واقعات کی طرف کھلے اشارے ہیں، کلام کا زیادہ حصہ ایسا ہے جن میں واقعات کا ہنگامی رشتہ اشعار سے چپک کر نہیں رہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

گیا بلکہ اشعار اپنے اندر ایسی گہرائی رکھتے ہیں کہ ہر زمانے اور ہر سطح پہ تاثر کی صلاحیت ان میں موجود ہے۔ اکبر کے کلام کا تیسرا رُخ جو زیادہ جاندار اور زیادہ دقیع ہے وہ مزاح نگاری ہے یعنی ظرافت کی وہ پھلجھڑی جس سے سننے والا بھی لطف اندوز ہوتا ہے اور وہ بھی جو اس کا نشانہ ہوتا ہے۔ اس میں تندی اور تیزی کی جگہ ایک بہار آفرین اور مسرت آگین کیف و سرور ہے۔ اکبر میں اس طرح کے کلام کے نمونے بھی کچھ کم نہیں ہیں آخر میں اس نوع کے کچھ نمونے بھی دیکھیے:

بتائیں آپ کو مرنے کے بعد کیا ہوگا
پلاؤ کھائیں گے احباب فاتحہ ہوگا

فرقت نے کہا کہ جل گیے آپ
کھٹمل نے کہا کہ بھاگ گیے آپ

جب قدم راہِ طلب میں نہ بڑھے اے اکبر
بیٹھ کر پاؤں ہلانے کا نتیجہ کیا ہے

باہم شبِ وصال غلط فہمیاں ہوئیں
مجھ کو پری کا شبہ ہوا ان کو بھوت کا

وصل ہو یا فراق ہو اکبر
جاگنا ساری رات مشکل ہے

ہجر کی شب یوں بھی کاٹو بھائیو
ان کا فوٹو لے کے چاٹو بھائیو

ہوں میں وہ رند اگر حشر میں ملزم ٹھہروں
فیصلے کے لیے حوروں کا کمیشن بیٹھے

دعویٰ بہت بڑا ہے ریاضی میں آپ کو
طولِ شبِ فراق کو تو ناپ دیجیے

انسانی زندگی کی ناہمواریاں افعال و افکار کے تضادات، فطرتِ انسانی کی کمزوریاں، سب مزاح کے لیے خام مواد ہے اور اکبر نے اس خام مواد سے جس طرح کام لیا ہے اس سے وہ اردو ادب میں ایک اہم مقام کے مالک ہو گئے ہیں۔

© rasailojaraid.com